Tauseeq, Volume. 7, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v7i1.5
Received: 21-06-2026
Accepted: 25-06-2026
Published: 30-06-2026

سماجی حقیقت نگاری کے تناظر میں زیتون بانو کے ناول "ڈھول" کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of Zaitoon Bano's Novel Dhol in the Perspective of Social Realism

ڈاکٹر زینت بی بی *
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور

Abstract:

Zaitoon Bano has portrayed the internal structure of Pashtun society, its traditional values, social inequalities, and human behavior in a realistic manner in this novel. The narrative addresses issues such as the violation of women's rights, injustice in inheritance, deprivation of girls' education, early marriages, child engagements, sexual exploitation, class disparity, selfishness, judicial injustice, the negative consequences of consanguineous marriages, moral decline, and social deterioration.

Through an analysis of various characters, events, and dialogues, this study attempts to demonstrate that Zaitoon Bano is not merely a storyteller but also a sensitive social thinker and a realist writer who reflects the problems of her age. The issues depicted in the novel are not confined to a single family or social class; rather, they represent the collective psychology, cultural values, and social contradictions of Pashtun society as a whole. The author has explored the conflict between tradition and modernity, the deprivation of women, the importance of education, the complexity of human

* ڈاکٹر زینت بی بی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور

relationships, and the absence of social justice with artistic consciousness and intellectual depth.

From a research and critical perspective, this study reveals that *Dhol* is a socially realistic novel that serves not only as a source of entertainment but also as an intellectual, cultural, and reformative document. Alongside vivid depictions of Pashtun culture and traditions, hospitality, the Jirga system, purdah, and rural life, the novel also highlights those social evils that adversely affect human life. In this way, Zaitoon Bano, through the harmonious blend of art and thought, has not only reflected the social issues of her time but has also emphasized the need for the development of a more balanced and enlightened social consciousness. These qualities make *Dhol* a significant and distinguished example of social realism in Urdu literature.

Keywords: Zaitoon Bano, novel *Dhool*, social issues, realism, Pashtun society,

women's rights, civilization and culture, social reform, intellectual consciousness.

زیتون بانو اردو اور پشتو ادب کی ممتاز افسانہ نگار، ناول نگار، ڈرامہ نگار اور مترجم ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی بصیرت اور حقیقت پسندانہ اسلوب کے ذریعے برصغیر خصوصاً پشتون معاشرے کی تہذیبی، سماجی اور نفسیاتی زندگی کو ادب کا حصہ بنایا۔ وہ 18 جون 1938ء کو پشاور کے نواحی گاؤں سفید ڈھیری میں ایک علمی، مذہبی اور ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سید پیر سلطان محمود ریڈیو پاکستان سے وابستہ، روشن خیال شخصیت اور صاحبِ ذوق شاعر تھے، جب کہ والدہ ام کلثوم فارسی اور پشتو زبان و ادب پر گہری دسترس رکھتی تھیں۔ اسی علمی اور دینی ماحول نے زیتون بانو کی شخصیت اور فکری تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

زیتون بانو نے ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ بعد ازاں انھوں نے ایف اے، بی اے، ایم اے پشتو اور ایم اے اردو کی اسناد حاصل کیں۔ اگرچہ بیماری اور گھریلو ذمہ داریوں کے باعث انھیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان رکاوٹوں نے ان کے علمی اور ادبی سفر کو متاثر نہ ہونے دیا۔ ان کی شخصیت میں عزم، استقلال اور حساسیت نمایاں اوصاف کے طور پر جلوہ گر ہیں۔

زیتون بانو نے ادبی سفر کا آغاز کم عمری میں کیا اور 1958ء سے باقاعدہ تخلیقی سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی تخلیقات میں پشتون معاشرے کی رسوم و روایات، عورتوں کے مسائل، طبقاتی کشمکش، معاشرتی ناانصافیاں، انسانی نفسیات اور تہذیبی اقدار نہایت گہرے

شعور کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ان کی تحریروں میں حقیقت نگاری، مقصدیت اور اصلاحِ معاشرہ کا رجحان نمایاں ہے۔انہوں نے ایک سو سے زائد افسانے تخلیق کیے، جن کے متعدد تراجم اردو سمیت دیگر زبانوں میں بھی شائع ہوئے۔

ان کے معروف پشتو افسانوی مجموعوں میں "پنڈارہ"، "مات بنگڑی" اور "دشہ و منزل" کو خاص شہرت حاصل ہوئی، جبکہ اردو تصانیف میں "وقت کی دہلیز پر"، "برگِ آرزو"، "شیشم کا پتہ" اور "خوشحال شناسی" اہم مقام رکھتی ہیں۔ان کے ناول "ڈھول" کو اردو ادب میں ایک منفرد مقام حاصل ہے، جس میں انہوں نے پشتون معاشرے کے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

زیتون بانو نے ریڈیو پاکستان اور ٹیلی ویژن سے بھی وابستہ رہ کر ڈرامہ نگاری، اداکاری اور صداکاری کے میدان میں خدمات انجام دیں۔ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں متعدد اعزازات سے نوازا گیا، جن میں 1996ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے عطا کردہ "صدارتی تمغۂ حسنِ کارکردگی" خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

زیتون بانو اپنی فکری پختگی، تخلیقی انفرادیت اور سماجی شعور کے باعث پشتو اور اردو ادب میں ایک معتبر اور باوقار مقام کی حامل ہیں۔ان کی تخلیقات نہ صرف پشتون معاشرے کی تہذیبی شناخت کی ترجمان ہیں بلکہ انسانی زندگی کے آفاقی مسائل اور احساسات کی بھی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔یہی خصوصیات انہیں عصر حاضر کی اہم اور بااثر ادبی شخصیات میں ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔

ادب محض جمالیاتی تسکین کا وسیلہ نہیں بلکہ انسانی معاشرے کے فکری، تہذیبی اور سماجی شعور کا آئینہ بھی ہے۔اس حوالے سے خاطر غزنوی لکھتے ہیں:

> "زیتون بانو نے اپنی کہانیوں میں عورت کی ان نفسیاتی کیفیات کا تجزیہ کیا ہے جو ماحول کی حدود کی پابند نہیں بلکہ آفاقیت کی حامل ہیں۔ان جذبوں کی کہانیاں ہیں جو بظاہر شتون معاشرے، اس کے رسم ورواج اور اس معاشرے کی پابندیوں اور قیود سے جنم لیتے ہیں۔لیکن در حقیقت وہ انسانوں کے بنیادی جاپے ہیں۔عشق و محبت شفقت، غم، غصہ رشک، حسد، نفرت، انتقام جنس وغیرہ یہی جذبے مقامی اور جغرافیائی حالات کے تحت اپنے اپنے رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔" (۱)

ہر بڑا ادیب اپنے عہد کے مسائل، انسانی رویوں اور تہذیبی قدروں کو اپنی تخلیقات میں اس انداز سے سمو دیتا ہے کہ اس کا فن اپنے زمانے کی اجتماعی زندگی کا معتبر حوالہ بن جاتا ہے۔ اردو ناول کی روایت میں زیتون بانو کا شمار ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے زندگی کے خارجی مظاہر کے بجائے اس کے باطنی اور تہذیبی حقائق کو موضوع بنایا۔ ان کا ناول ''دھول'' اسی فکری اور تخلیقی شعور کا مظہر ہے۔ یہ ناول بظاہر چند کرداروں اور ان کی زندگیوں کی داستان ہے، مگر اپنی معنوی جہتوں میں ایک پورے معاشرے کی نفسیات، تہذیبی اقدار، معاشرتی تضادات اور انسانی المیوں کی داستان بن جاتا ہے۔

زیتون بانو بنیادی طور پر ایک حقیقت نگار ادیبہ ہیں۔ ان کے ہاں حقیقت نگاری محض خارجی واقعات کی منظر کشی تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسانی نفسیات، معاشرتی رویوں اور تہذیبی ساخت کے باطنی محرکات بھی شامل ہیں۔ ''دھول'' میں انہوں نے پشتون معاشرے کی روایتی زندگی، رسوم و رواج، خاندانی نظام، عورت کی سماجی حیثیت، معاشی ناہمواریوں، طبقاتی تقسیم، فرسودہ اقدار اور تہذیبی کشمکش کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ناول ایک مکمل سماجی دستاویز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تخلیق محض قصہ گوئی کا نمونہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی اور فکری بیانیہ ہے۔

ڈاکٹر آغا سہیل کے مطابق سرحدی معاشرہ اپنی اکثریت کے اعتبار سے دیہی زندگی اور قدامت پسند روایات کا حامل ہے، جس میں فرسودہ تصورات اور روایتی ذہنیت گہرے اثرات رکھتی ہے۔ زیتون بانو نے اسی معاشرے کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے اپنے فن کو اصلاحِ معاشرہ کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کے نزدیک ادب کا مقصد صرف جذباتی آسودگی پیدا کرنا نہیں بلکہ انسانی شعور کو بیدار کرنا اور معاشرے کو نئی سمت سے آشنا کرنا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''دھول'' میں پیش کیے گئے مسائل محض انفرادی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے اجتماعی شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ناول کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ عورت کی سماجی حیثیت ہے۔ اگرچہ انسانی تہذیب نے ترقی کے کئی مراحل طے کیے ہیں اور جدید معاشروں میں عورت کے حقوق کے حوالے سے شعور بیدار ہوا ہے، لیکن قبائلی اور روایتی معاشروں میں عورت آج بھی پدرسری نظام کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ زیتون بانو نے عورت کی اس محکومی کو نہایت گہرے احساس کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک

عورت محض ایک فرد نہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام کی مظلوم ترین اکائی ہے، جس کی خواہشات، جذبات اور انفرادی شناخت کو روایات کی نذر کر دیا جاتا ہے۔۔احمد سلیم اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دھول واقعات کا نہیں واردات کا ناول ہے۔اس میں کہانی تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ حقیقی زندگی کی تصویریں بھی ہیں۔ان تصویروں میں فوٹو جیسی ہو بہو نقالی نہیں ہے۔بلکہ ایسا ہے کہ اس پر حقیقت کا گمان گزرتا ہے اور اس گماں کے بہت نیچے یقین ایک روشن تارے کی طرح نہیں بلکہ ایک ٹھیس کی طرح دل کو کاٹتا ہوا گزر جاتا ہے"(۲)

ناول میں عورت کی وراثتی محرومی ایک ایسے سماجی المیے کے طور پر سامنے آتی ہے جو بظاہر روایت کا حصہ بن چکا ہے۔حالانکہ اسلامی تعلیمات عورت کو جائیداد میں واضح حق دیتی ہیں، لیکن قبائلی روایات اور مردانہ برتری کے احساس نے اس حق کو محض کتابی حقیقت بنا دیا ہے۔حبیب خان کا کردار اس ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنی تمام جائیداد بیٹے کے نام منتقل کر دیتا ہے اور بیٹیوں کو وراثت سے محروم رکھنا اپنا فطری حق سمجھتا ہے۔اس صورت حال میں عورت کی خاموشی بھی قابل غور ہے، کیونکہ وہ احتجاج کے بجائے اس ظلم کو اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیتی ہے۔یہ خاموشی دراصل صدیوں پر محیط سماجی جبر اور نفسیاتی غلامی کا نتیجہ ہے۔

زیتون بانو نے اس مسئلے کو محض معاشی محرومی کے زاویے سے نہیں دیکھا بلکہ اسے عورت کی شناخت، خود مختاری اور سماجی وقار سے جوڑا ہے۔ان کے نزدیک جب ایک عورت کو اس کے بنیادی حق سے محروم کر دیا جاتا ہے تو درحقیقت اس کی شخصیت اور وجود کو بھی ثانوی حیثیت دے دی جاتی ہے۔یہی احساسِ محرومی معاشرے میں عدم توازن اور ناانصافی کو جنم دیتا ہے۔اس طرح ناول ''دھول'' عورت کی معاشی محرومی کو ایک وسیع سماجی اور تہذیبی بحران کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

"بہن بیٹیوں کو کون جائیداد میں حصہ دیتا ہے۔حبیب خان نے پوری جائیداد اپنے اکلوتے بیٹے عنایت خان کے نام لکھ دی تھی۔اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی بیٹی کی شادی رچاتا تھا پہلے اس سرکاری نام پر بھائی کے حق میں انگوٹھا لگواتا اور اگر انگوٹھا نہ لگاتا تو پشتون معاشرے میں کب

کسی بہن بیٹی نے باپ کی جائیداد میں حصہ مانگا کہ ایک انچ زمین بھی دوسروں کی ملکیت میں رہنا برداشت نہیں کرسکتے "(۳)

کسی بھی معاشرے کی فکری بالیدگی اور تہذیبی ارتقاء کا انحصار تعلیم پر ہوتا ہے۔ تعلیم انسان کو شعور، آگہی اور اپنے وجود کے ادراک سے آشنا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ معاشروں میں عورت اور مرد دونوں کے لیے تعلیم کو بنیادی حق تصور کیا جاتا ہے۔ مگر قدامت پسند معاشروں میں عورت کی تعلیم کو ہمیشہ ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ زیتون بانو نے ناول "دھول" میں اسی المیے کو نہایت دردمندی اور حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک عورت کی تعلیمی محرومی محض ایک فرد کی محرومی نہیں بلکہ پوری نسل کے فکری زوال کا سبب بنتی ہے۔

زیبو کا کردار ان بے شمار لڑکیوں کی نمائندگی کرتا ہے جن کی علمی صلاحیتیں سماجی روایات کی نذر ہو جاتی ہیں۔ زیبو مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے، مگر خاندانی روایات اور منگیتر کی ناراضی اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ یہاں مصنفہ دراصل اس ذہنیت کو بے نقاب کرتی ہیں جو عورت کو صرف گھریلو ذمہ داریوں تک محدود رکھنے پر یقین رکھتی ہے۔ اس تصور کے پس پشت صدیوں پر محیط پدرسری نظام کارفرما ہے، جس نے عورت کی فکری آزادی کو محدود کر کے اس کی شخصیت کو محض ایک تابع وجود میں تبدیل کر دیا ہے۔

زیتون بانو اس مسئلے کو نہایت گہرائی سے محسوس کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم صرف ملازمت یا معاشی آسودگی کا ذریعہ نہیں بلکہ شعور اور شخصیت کی تعمیر کا وسیلہ ہے۔ جب ایک عورت کو تعلیم سے محروم کیا جاتا ہے تو دراصل اس سے اپنی شناخت قائم کرنے کا حق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں تعلیم کا مسئلہ ایک وسیع سماجی اور تہذیبی تناظر اختیار کر لیتا ہے۔

"عنایت اللہ خان نے اپنے خاندانی روایات کو پس پشت ڈال کر زیبو کو میٹرک کروا لیا تھا۔ وہ اسے آگے پڑھانا چاہتا تھا لیکن منگیتر نے آگے پڑھنے نہ دیا۔ کیونکہ اس کا منگیتر شفیق ناراض ہوتا تھا"(۴)

برصغیر کے روایتی معاشروں میں کم عمری کی شادی اور بچپن کی منگنی ایک ایسی سماجی حقیقت ہے جس نے نسلوں کی نفسیاتی اور جذباتی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ زیتون بانو نے "دھول" میں اس روایت کے الم ناک نتائج کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ زیبو ابھی دنیا میں آنے بھی

نہیں پاتی کہ اس کی زندگی کا فیصلہ دوسروں کے ہاتھوں میں دے دیا جاتا ہے۔ اس کی منگنی بچپن ہی میں طے کر دی جاتی ہے اور جب وہ شعور کی منزلوں میں قدم رکھتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا راستہ پہلے ہی متعین کیا جا چکا ہے۔

"ابھی زیبو کی پیدائش میں چند ماہ باقی تھے اور ابھی زیبو نے اس دنیا میں پوری طرح آنکھ بھی کھولی نہ تھی کہ ماموں کے بیٹے آٹھ سالہ شفیق کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے اس کی منگنی کا اعلان کر دیا گیا"(۵)

یہاں زیتون بانو فرد اور روایت کے درمیان ایک گہری کشمکش کو اجاگر کرتی ہیں۔ مشرقی معاشرے میں فرد کی انفرادی خواہشات اور جذبات کو اکثر خاندانی وقار اور روایتی اقدار کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ زیبو کی خاموشی محض ایک کردار کی خاموشی نہیں بلکہ اس پورے معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے جہاں عورت کو اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا حق حاصل نہیں۔ وہ اپنے جذبات کو قربان کر دیتی ہے، کیونکہ اس کے نزدیک خاندان کی عزت اور روایت کی پاسداری ذاتی خواہشات سے زیادہ اہم ہے۔

نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ صورتِ حال فرد کی شخصیت میں اضطراب، احساسِ محرومی اور داخلی شکست و ریخت کو جنم دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیتون بانو شادی کو محض ایک سماجی بندھن کے طور پر نہیں دیکھتیں بلکہ اسے انسانی شخصیت کی تکمیل سے وابستہ ایک اہم مرحلہ تصور کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اس مرحلے میں فرد کی مرضی اور ذہنی ہم آہنگی کو نظر انداز کر دیا جائے تو ازدواجی زندگی ایک مسلسل ذہنی اذیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

"دھول" کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورت کے وجود کو معاشرتی جبر کے مختلف حصاروں میں محدود کر دیا گیا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر فیصلہ دوسروں کی مرضی سے وابستہ ہے۔ اس کے خواب، آرزوئیں، تعلیم، شادی اور حتیٰ کہ اس کی معاشی حیثیت بھی مردانہ اقتدار کے تابع ہے۔ زیتون بانو نے عورت کی اس بے بسی کو کسی جذباتی یا رومانوی انداز میں پیش نہیں کیا بلکہ ایک سماجی حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے۔

زیبو کی شخصیت مشرقی عورت کی اسی روایت کا استعارہ ہے، جو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی خوشیوں کو اہمیت دیتی ہے۔ وہ اپنی محبت، اپنی تعلیم اور اپنے خوابوں کو قربان کر دیتی ہے، مگر روایت سے بغاوت کا راستہ اختیار نہیں کرتی۔ اس قربانی میں ایک طرف عظمت کا پہلو موجود ہے تو دوسری طرف اس سماجی نظام پر ایک خاموش احتجاج بھی پوشیدہ ہے جس نے عورت کو ایثار اور قربانی کا پیکر بنا کر اس کی انفرادیت کو نظر انداز کر دیا ہے۔

زیتون بانو عورت کے دکھ کو صرف ذاتی دکھ نہیں سمجھتیں بلکہ اسے ایک تہذیبی اور سماجی سانحہ قرار دیتی ہیں۔ ان کے ہاں عورت کی محرومی دراصل انسانی اقدار کی محرومی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں عورت محض ایک کردار نہیں بلکہ پورے معاشرے کے اجتماعی دکھ اور کرب کی علامت بن جاتی ہے۔

زیتون بانو کا ناول "دھول" محض سماجی ناہمواریوں کی تصویر کشی تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان مسائل کے پس پردہ کارفرما نفسیاتی، تہذیبی اور اخلاقی عوامل کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ ان میں جنسی استحصال ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مصنفہ نے بڑی جرأت اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مشرقی معاشروں میں اس موضوع پر گفتگو کو معیوب سمجھا جاتا رہا ہے، جس کے باعث ایسے جرائم اکثر خاموشی کی دبیز تہوں میں دفن ہو جاتے ہیں۔ زیتون بانو نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے اس تلخ حقیقت کو اپنے فن کا حصہ بنایا ہے۔

ناول میں نائلہ کا کردار انسانی سفاکی اور اخلاقی انحطاط کی ایسی ہولناک تصویر پیش کرتا ہے جو قاری کے ذہن و شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ نائلہ کا اپنے ہی باپ کے ظلم کا شکار ہونا دراصل ان تمام اخلاقی اقدار کی شکست کا استعارہ ہے جن پر انسانی معاشرے کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ باپ جو تحفظ، شفقت اور محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے، جب خود ظلم اور بربریت کی علامت بن جائے تو یہ محض ایک فرد کا جرم نہیں رہتا بلکہ ایک پورے معاشرے کے اخلاقی زوال کی علامت بن جاتا ہے۔ زیتون بانو نے اس سانحے کو کسی سنسنی خیزی یا جذباتی ابال کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعے انسانی رشتوں کی پامالی اور معاشرتی بے حسی کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے نزدیک جب معاشرہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں سے دور ہو جاتا ہے تو انسان اپنی حیوانی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور یوں رشتوں کا تقدس بھی پامال ہو جاتا ہے۔ نائلہ کی داستان دراصل اس سماجی ناسور کی علامت ہے جو خاموشی، خوف اور بے حسی کے باعث مسلسل پھیلتا جا رہا ہے۔

عدل کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، لیکن جب انصاف طاقت اور اثر و رسوخ کا تابع ہو جائے تو معاشرے میں جرائم اور ظلم کو فروغ ملنے لگتا ہے۔ ناول "دھول" میں زیتون بانو نے اس المیے کو نہایت گہرائی سے محسوس کیا ہے۔ ان کے ہاں ظلم صرف جرم کرنے والے کی وجہ سے نہیں بڑھتا بلکہ اس کی اصل وجہ انصاف کی عدم دستیابی اور طاقتور طبقات کی پشت پناہی بھی ہے۔ مدو فضل کے کردار کے ذریعے مصنفہ نے واضح کیا ہے کہ کس طرح سماجی اثر و رسوخ اور ذاتی تعلقات مجرموں کو قانون کی گرفت سے بچا لیتے ہیں۔ جرم اپنی جگہ ایک برائی ہے، لیکن جرم کو چھپانا اور مجرم کی معاونت کرنا اس سے بھی زیادہ خطرناک عمل ہے۔ اس صورت حال میں مظلوم کے حصے میں صرف محرومی، بے بسی اور مایوسی آتی ہے۔

> "مدو فضل کا اتنا بڑا جرم شفیق نے چھپا لیا گاؤں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ یہ کام مدو فضل کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا، لیکن شفیق نے کہنے والوں کا منہ یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ فضل کو اس نے اس واقعے سے ایک روز قبل ہی کسی کام سے لاہور بھیجا تھا"(٦)

یہ مسئلہ صرف ناول کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کا ایک زندہ المیہ ہے، جہاں انصاف اکثر دولت، اقتدار اور تعلقات کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ زیتون بانو اس ناانصافی کو محض ایک سماجی کمزوری نہیں بلکہ ایک اخلاقی بحران تصور کرتی ہیں، کیونکہ انصاف کے فقدان سے نہ صرف قانون کی عمل داری متاثر ہوتی ہے بلکہ اجتماعی شعور بھی زوال پذیر ہونے لگتا ہے۔

مادہ پرستی اور خود غرضی عصر حاضر کے اہم مسائل میں شمار ہوتے ہیں، لیکن ان کی جڑیں قدیم معاشروں میں بھی موجود رہی ہیں۔ "دھول" میں گل شافعہ جیسے کردار اس ذہنیت کی نمائندگی کرتے ہیں جو انسانی رشتوں کو بھی ذاتی مفاد اور جائیداد کے پیمانے سے دیکھتی ہے۔ یہاں محبت، خلوص اور ایثار کی جگہ حرص اور خود غرضی نے لے لی ہے۔ زیتون بانو نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ لالچ انسان کے اندر سے انسانیت کی روشنی کو مدھم کر دیتا ہے۔ جب دولت اور جائیداد زندگی کا واحد مقصد بن جائیں تو رشتے اپنی معنویت کھو دیتے ہیں اور انسان اپنی ذات کے حصار میں قید ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں بہت سے کردار اپنی خود غرضی کے باعث نہ صرف دوسروں کی زندگیوں کو اجیرن بناتے ہیں بلکہ خود بھی داخلی سکون سے محروم رہتے ہیں۔

"زیبو ابھی باپ کے گھر بیٹھی ہے جب بیاہ کر اس گھر میں آجائے گی تو اگلے پچھلے تمام بدلے چکا دوں گی میرا نام بھی گل شافعہ ہے دیکھو بیٹے وہ ٹھہری ماں باپ کی اکلوتی اولاد اس کا اس گھر میں آنے سے عنایت کی تمام جائیداد کے سمجھو تم ہی اکیلے مالک ہوئے "(۷)

مصنفہ کے نزدیک معاشرے کی تعمیر صرف معاشی ترقی سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے اخلاقی قدروں کا استحکام بھی ضروری ہے۔ اگر انسان کے دل سے قناعت، ایثار اور ہمدردی ختم ہو جائیں تو ترقی کا تمام تر ظاہری سامان بھی معاشرے کو حقیقی خوش حالی نہیں دے سکتا۔

زیتون بانو کے فنی شعور کا ایک اہم پہلو طبقاتی شعور ہے۔ اگرچہ "دھول" براہ راست طبقاتی جدوجہد کا ناول نہیں، مگر اس میں معاشی تفاوت اور سماجی ناہمواریوں کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ جاگیردارانہ ذہنیت، طاقت کا ارتکاز، کمزور طبقات کی بے بسی اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم ایسے عناصر ہیں جو ناول کے مختلف کرداروں اور واقعات میں بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرتی تقسیم صرف معاشی سطح پر نہیں بلکہ سماجی رویوں میں بھی نمایاں ہے۔ دولت مند اور بااثر افراد اپنے لیے الگ معیار رکھتے ہیں جبکہ غریب اور کمزور طبقہ محرومی، ناانصافی اور بے اعتنائی کا شکار رہتا ہے۔ یہی طبقاتی تفریق معاشرتی ہم آہنگی کو متاثر کرتی ہے اور احساسِ محرومی کو جنم دیتی ہے۔ زیتون بانو کا کمال یہ ہے کہ وہ طبقاتی مسئلے کو کسی نظریاتی نعرے کی صورت میں پیش نہیں کرتیں بلکہ زندگی کے حقیقی تجربات اور کرداروں کے ذریعے اس کی شدت کو محسوس کراتی ہیں۔ یہی ان کی حقیقت نگاری کی اصل قوت ہے۔

زیتون بانو بنیادی طور پر ایک حقیقت نگار ادیبہ ہیں۔ ان کی حقیقت نگاری فوٹو گرافی کی طرح جامد نہیں بلکہ زندگی کے متحرک حقائق کی ترجمان ہے۔ وہ معاشرے کے ناسوروں پر پردہ ڈالنے کے بجائے ان کی نشان دہی کرتی ہیں تاکہ اصلاح کی راہیں ہموار ہو سکیں۔ ان کے نزدیک ادب کا مقصد محض تفریح یا جذباتی آسودگی پیدا کرنا نہیں بلکہ انسانی شعور کو بیدار کرنا بھی ہے۔

"دھول" میں پیش کیے گئے مسائل خواہ عورت کی محرومی سے متعلق ہوں، تعلیم کے فقدان سے، عدالتی ناانصافی سے یا اخلاقی زوال سے، ان سب کے پس منظر میں ایک اصلاحی جذبہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ناول محض المیوں کی داستان نہیں بلکہ شعور و آگہی کی ایک تحریک بھی محسوس ہوتا ہے۔

زیتون بانو نے اپنے فنی شعور کے ذریعے پشتون معاشرے کی ان روایات کو قبول کیا ہے جو انسان دوستی، مہمان نوازی اور اخلاقی اقدار کی نمائندگی کرتی ہیں، لیکن ان رسوم و روایات پر تنقید بھی کی ہے جو انسانی آزادی، عورت کے وقار اور سماجی انصاف کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہی اعتدال ان کے فن کو محض احتجاج نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے فکری بصیرت سے ہمکنار کرتا ہے۔ شہر اور گاؤں کے منظر نامے کو یوں بیان کیا ہے:

> "جب زیبو گھر لوٹتی تو ساتھ مکئی کا آٹا، پیشترے کا ساگ، موسمی پھل اور سبزیاں ساتھ اپنے فارم کے انڈے خالص شہد دے دیتی۔ اکثر سردیوں کے موسم میں زیادہ مسالے والا گڑ، گڑ کا شربت بھی بجھواتیں۔ رشید کی بیوی بھی ان طائف کے بدلے میں لنڈی کوتل سے زیبو اور مہروں کے لیے دوپٹے اور قمیض منگوا کر بجھواتیں۔ کبھی پشاوری چپل کے ایک دو جوڑے بھی خرید دیتی" (۸)

زیتون بانو کے ناول ''ڈھول'' کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں انسانی جذبات اور سماجی روایات کے درمیان موجود کشمکش کو نہایت لطیف اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ محبت انسانی فطرت کا ایک لازمی تقاضا ہے، مگر جب یہی جذبہ فرسودہ روایات، خاندانی اقدار اور قبائلی بندشوں سے متصادم ہوتا ہے تو فرد کی داخلی دنیا شدید اضطراب اور کرب کا شکار ہو جاتی ہے۔ زیبو اور جاوید کی محبت اسی کشمکش کی ایک نمائندہ مثال ہے۔

زیبو ایک ایسی مشرقی اور بالخصوص پشتون لڑکی ہے جس کی شخصیت میں حیا، شرم، وفاداری اور روایت پسندی رچی بسی ہے۔ وہ جاوید سے قلبی وابستگی رکھتی ہے، مگر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی جرات نہیں کر پاتی۔ اس کی خاموشی دراصل اس معاشرتی فضا کی پیداوار ہے جہاں عورت کے احساسات کو زبان دینے کی آزادی حاصل نہیں۔ دوسری طرف جاوید کی محبت بھی جذباتی وابستگی کا مظہر ہے، لیکن جب وہ اپنے احساسات کے اظہار کے مرحلے تک پہنچتا ہے تو وقت بہت آگے بڑھ چکا ہوتا ہے۔ زیبو اپنی ذات اور جذبات کو روایت کے سامنے قربان کر چکی ہوتی ہے۔

یہاں زیتون بانو فرد اور معاشرے کے اس تصادم کو نمایاں کرتی ہیں جس میں انسان اپنی خواہشات، تمناؤں اور جذبات کو اجتماعی اقدار کے سامنے قربان کر دیتا ہے۔ زیبو کی یہ قربانی بظاہر وفاداری اور ایثار کی علامت ہے، لیکن اس کے پس منظر میں ایک پورا سماجی جبر کارفرما ہے۔ مصنفہ اس صورتحال کو محض ایک رومانی المیہ نہیں بناتیں بلکہ اسے مشرقی معاشرے کے تہذیبی المیے کی حیثیت عطا کرتی ہیں۔ زیبو کی شخصیت ان لاکھوں عورتوں کی نمائندہ بن جاتی ہے جو اپنی ذات کے بجائے خاندان، روایت اور معاشرتی اقدار کی بقا کو ترجیح دیتی ہیں۔

''دھول'' کی ایک بڑی فنی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پشتون معاشرے کی تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کو نہایت فطری انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ زیتون بانو چونکہ خود اس تہذیبی ماحول سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے ان کے ہاں مصنوعی پن یا خارجی مشاہدے کی کیفیت نہیں ملتی بلکہ زندگی اپنی اصل صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ناول میں دیہی زندگی کی سادگی، کھلے صحن، ہوادار مکانات، کھیتوں کی سرسبزی، موسمی پھل، جوار کی روٹی، پشترے کے ساگ، خالص شہد، پشاوری چپل، حجرہ، چارپائی اور ٹانگے کی سواری جیسے عناصر نہ صرف مقامی رنگ پیدا کرتے ہیں بلکہ پشتون معاشرت کی ثقافتی شناخت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ یہ عناصر ناول کے ماحول کو حقیقت سے قریب تر بنا دیتے ہیں اور قاری کو ایک مخصوص تہذیبی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ زیتون بانو نے تہذیبی مظاہر کو محض رنگینی یا آرائش کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ ان کے ذریعے پشتون معاشرے کے اجتماعی شعور اور طرزِ حیات کو نمایاں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "دھول" علاقائی ناول ہونے کے باوجود آفاقی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔

پشتون تہذیب کی سب سے نمایاں خصوصیات میں مہمان نوازی، عزتِ نفس، غیرت اور روایات کی پاسداری شامل ہیں۔ زیتون بانو نے ان اوصاف کو بڑی محبت اور احترام کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں پشتون کردار مہمان کی خاطر تواضع کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ مہمان کے لیے آرام و آسائش کا بندوبست کرنا باعثِ سعادت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ مہمان نوازی محض رسمی عمل نہیں بلکہ پشتون معاشرت کے اجتماعی شعور اور اخلاقی اقدار کا حصہ ہے۔ اسی طرح حجرے کی روایت، باہمی میل جول، جرگے کا نظام اور بزرگوں کا احترام بھی اس تہذیبی نظام کے اہم اجزاء ہیں۔

البتہ زیتون بانو ان روایات کی خوبصورتی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے منفی پہلوؤں سے بھی صرفِ نظر نہیں کرتیں۔ جرگے کا نظام اگرچہ اجتماعی مشاورت اور سماجی ہم آہنگی کا مظہر ہے، لیکن بعض مواقع پر یہی نظام فرد کی آزادی اور انصاف کے تقاضوں سے متصادم بھی دکھائی دیتا ہے۔اس طرح مصنفہ ایک متوازن نقطۂ نظر اختیار کرتی ہیں اور اندھی تقلید کے بجائے شعوری رویے کی دعوت دیتی ہیں۔

اگرچہ "دھول" بنیادی طور پر ایک سماجی اور حقیقت نگار ناول ہے، مگر اس میں رومانیت کی ایک لطیف فضا بھی موجود ہے۔ زیبو اور جاوید کے تعلق میں مشرقی محبت کی پاکیزگی، خاموشی اور وارفتگی نمایاں ہے۔ یہ محبت جذبات کی شدت سے زیادہ روحانی وابستگی اور باطنی کشش کا اظہار ہے۔ زیتون بانو کی رومانیت، فراریت یا خیالی دنیا کی نمائندہ نہیں بلکہ زمینی حقائق سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کے کردار خواب دیکھتے ہیں، محبت کرتے ہیں، امیدیں باندھتے ہیں، لیکن سماجی حقیقتیں ان کے راستے میں دیوار بن جاتی ہیں۔ اس طرح حقیقت اور رومان ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون بن کر سامنے آتے ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "زیتون باتو ایک حد درجہ کی نارمل عورت ہے۔ اسی لئے وقت کی دہلنیر پر ایک نارمل قلم کار کی نارمل کہانیاں ہیں۔ وہ سادہ اور بالکل ایسے جیسے وہ اپنے بچوں کو کہانیاں سنا رہی ہوں یا پھر تاج سعید سے محلہ کی عورتوں کی حکایات بیان کر رہی ہو۔" (۹)

بڑے ادیب کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق اپنے عہد کی روح کو محفوظ کر لیتی ہے۔ اس اعتبار سے "دھول" صرف ایک کہانی یا چند کرداروں کی داستان نہیں بلکہ پشتون معاشرے کی سماجی، تہذیبی، نفسیاتی اور فکری زندگی کی ایک مکمل دستاویز ہے۔ اس میں عورت کی محرومی، تعلیم کا فقدان، فرسودہ روایات، جنسی استحصال، طبقاتی ناہمواری، عدالتی ناانصافی، اخلاقی زوال، خاندانی نظام، محبت، ایثار، تہذیب اور ثقافت کے مختلف پہلو ایک مربوط اور بامعنی وحدت میں سامنے آتے ہیں۔ زیتون بانو کے ہاں حقیقت نگاری محض واقعات کا بیان نہیں بلکہ زندگی کے باطن تک رسائی کا نام ہے۔ وہ انسانی دکھ، محرومی اور سماجی تضادات کو نہایت گہرے شعور کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ ان کے کردار محض فرضی پیکر نہیں بلکہ زندہ انسان ہیں، جو اپنے عہد کی اجتماعی نفسیات اور تہذیبی صورت حال کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لیے "دھول" کو صرف ایک علاقائی یا نسوانی ناول قرار دینا اس کی معنوی وسعت کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہ ناول اپنے اندر ایک پورے عہد کی

سماجی تاریخ، تہذیبی شعور اور انسانی المیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ زیتون بانو نے اس تخلیق کے ذریعے نہ صرف پشتون معاشرے کے مسائل کو بے نقاب کیا بلکہ اصلاحِ معاشرہ اور انسانی شعور کی بیداری کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

زیتون بانو کا ناول "دھول" اپنے فنی، فکری اور سماجی تناظر میں اردو ادب کی ایک اہم اور نمائندہ تخلیق ہے۔ اس میں زندگی کی تلخ حقیقتوں، معاشرتی تضادات، فرسودہ رسوم، عورت کی بے بسی، تعلیم کی اہمیت، طبقاتی ناہمواری، اخلاقی بحران اور تہذیبی اقدار کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے محض مسائل کی نشاندہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے پس منظر میں موجود سماجی رویوں اور فکری جمود کو بھی موضوع بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "دھول" ایک ایسے سماجی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جو نہ صرف اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ آنے والے زمانوں کے لیے بھی انسانی زندگی کے مسائل اور معاشرتی حقائق کا معتبر حوالہ بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔احمد پراچہ، زیتون بانو؛ فن اور شخصیت، مکتبہ ارژنگ پشاور، ۱۹۸۴، ص ۹۳

۲۔زیتون بانو "برگ آرزو دھول، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۹

۳۔ایضاً، ص ۲۲

۴۔ایضاً، ص ۱۳

۵۔ایضاً، ص ۱۳۷

۶۔ایضاً، ص ۱۲۱

۷۔ایضاً، ص ۱۹

۸۔ایضاً، ص ۴۰

۹۔احمد پراچہ، زیتون بانو؛ فن اور شخصیت، مکتبہ ارژنگ پشاور، ۱۹۸۴، ص ۱۱۳

References:

1. Ahmed Paracha, *Zaitoon Bano: Fun aur Shakhsiyat* [Art and Personality], Maktaba Arzhang, Peshawar, 1984, p. 93.
2. Zaitoon Bano, *Barg-e-Arzoo Dhool*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, p. 19.
3. Ibid., p. 22.
4. Ibid., p. 13.
5. Ibid., p. 137.
6. Ibid., p. 121.
7. Ibid., p. 19.
8. Ibid., p. 40.
9. Ahmed Paracha, *Zaitoon Bano: Fun aur Shakhsiyat*, Maktaba Arzhang, Peshawar, 1984, p. 113.